عمارہ علی

پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر (اردو)

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

''کم یونی کیٹنگ وے سلز'' کا تکنیکی تجربہ خواب سراب کے آئینے میں

Abstract:
Khaab Saraab is the second famous novel of Anis Ashfaq published in 2017 from Lucknow and in 2018 from Pakistan. The writer has effectively used different techniques; creating an internal coherence and harmony among different threads of story, that resulted an increase in the novel's power of persuasion. This research paper aims to discover different internal links developed by the writer in the light of novelistic technique "Communicating Vessels" described by Mario Vargas Llosa, a contemporary critic, prolific writer and novelist.

Key words: Khaab Saraab, Anis Ashfaq, technical experiments, communicating vessels, Mario Vargas Llosa.

ناول کے فنی عناصر میں تکنیک ایک اہم عنصر ہے جس پر ناول کی کامیابی یا ناکامی کا دار و مدار ہوتا ہے۔ کہانی بیان کرنے کے لیے موزوں ترین الفاظ اور ان کے بر محل استعمال کے ساتھ ساتھ ایسی تکنیک کا انتخاب بھی ضروری ہے جو ناول میں اپنا جواز پیدا کر سکے۔ تکنیک کا ایسا ہی موزوں انتخاب اور بر محل استعمال معاصر عہد کے ناول نگار انیس اشفاق کے ناولوں میں دکھائی دیتا ہے، اس ضمن میں ان کا مشہور ناول خواب سراب قابل ذکر ہے جس پر انھیں ادبی ایوارڈ ''اقبال سمان'' سے نوازا گیا۔ انیس اشفاق کا شمار اکیسویں صدی کے اہم اور منفرد باب میں ہوتا ہے۔ وہ ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت ہیں؛ اردو ادب کی دنیا میں وہ ایک مشہور ادیب، محقق، نقاد، شاعر، افسانہ نگار، ناول نگار اور مترجم کی حیثیت سے معروف ہیں۔ وہ ایک سفر نامہ اور رپورتاژ بھی لکھ چکے ہیں۔ ناول نگاری کے میدان میں کامیابی سے جھنڈے گاڑنے کے بعد حال ہی میں انھوں نے لکھنؤ کی تاریخ نگاری کا کام بھی شروع کیا ہے۔ اس کے علاوہ، انھوں نے اردو کے ممتاز افسانہ نگار نیئر مسعود کی سوانح بھی تحریر کی ہے۔ اب تک ان کے تین ناول شائع ہو چکے ہیں؛ دکھیارے (۲۰۱۴ء)، خواب سراب (۲۰۱۷ء) اور پری ناز اور پرندے (۲۰۱۸ء)۔ مختلف شعبہ ہائے ادب میں گراں قدر ادبی خدمات کی بنا پر انھیں کئی وقیع انعامات و اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔

خواب سراب کے قصے کی بنیاد مرزا ہادی رسوا کے مشہور ناول امراؤ جان ادا میں پیش کردہ امراؤ جان ادا کے کردار پر رکھی گئی ہے۔ ناول میں امراؤ جان کی بیٹی شمیلہ خانم اور اس کی نواسی سبیلہ خانم کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ ناول کی کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا رسوا نے امراؤ کے اصل قصے کو چھپایا اور اسے شائع نہیں کیا جبکہ اصل قصہ وہ ہے جس میں امراؤ جان ادا کو صاحبِ اولاد دکھایا گیا ہے اور اس قصے کا اصل مسودہ بھی موجود ہے۔ ناول کی کہانی اسی مسودے اور امراؤ کی اولاد کی کھوج سے متعلق ہے۔ اسی کھوج کے تناظر میں ناول نگار نے ان خواتین کی زندگی کو موضوع بنایا ہے جو اصلاً پیشہ ور (طوائف) نہ تھیں بلکہ طبقہ اشراف سے تعلق رکھتی تھیں مگر حالات کی ستم ظریفی کی بدولت انھیں اس پیشے سے وابستہ ہونا پڑا اور اب وہ کسمپرسی اور درماندگی کی زیست بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ اسی مرکزی قصے کے متوازی مصنف نے لکھنؤ کے تاریخی، سماجی اور تہذیبی و ثقافتی پس منظر کی بھرپور عکاسی کی ہے اور لکھنوی تہذیب و فن اور اس کے زوال پر نوحہ کنائی بھی کی ہے۔ انیس اشفاق نے ناول میں اندرونی ارتباط اور ہم آہنگی قائم کرنے پر خاصی توجہ دی ہے۔ ناول میں بیان کردہ مختلف قصے کہانیوں میں ایک ہم ربطی نظام قائم کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں، اس نظام کی جانچ اور فنی تجزیے کے لیے معاصر مغربی نقاد ماریو برگھس یوسا[1] (Mario Vargas Llosa;1936__) کی بیان کردہ تکنیک "کم یونی کیٹنگ وے سلز" (Communicating Vessels) سے استفادہ کیا گیا ہے۔

لاطینی امریکہ کے اس ممتاز ادیب نے نہ صرف فکشن کی کئی اصناف (ڈراما، ناول اور افسانہ) میں طبع آزمائی کی بلکہ اس کے فن سے متعلق اپنے تنقیدی خیالات کا اظہار بھی کیا۔ فنِ ناول نگاری پر اپنے تنقیدی تصورات کا جامع اظہار اپنی کتاب Cartas A Unjoven Novelista میں کیا جو پہلی دفعہ ۱۹۹۷ء میں ہسپانوی زبان میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا انگریزی زبان میں ترجمہ نتاشا وِمر (Natasha Wimmer) نے Letters To A Young Novelist کے عنوان سے کیا جو ۲۰۰۳ء میں نیویارک سے شائع ہوا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ، معروف مترجم محمد عمر میمن (۱۹۳۹ء۔۲۰۱۸ء) نے نوجوان ناول نگار کے نام خط کے عنوان سے کیا جو ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں یوسا نے ناول کے فنی و تکنیکی عناصر ـــــ راوی، زمان و مکان، حقیقت کی سطحیں، انتقالات، چینی ڈبے، پوشیدہ حقیقت، اسلوب اور کم یونی کیٹنگ وے سلز کی تکنیک پر مدلل اظہارِ خیال کیا ہے۔ یوسا کے فکشن بالخصوص فنِ ناول نگاری پر تنقیدی تصورات بہت اہم ہیں کیونکہ وہ صرف ایک نقاد ہی نہیں بلکہ کہنہ مشق فکشن نگار بھی ہیں؛ انھوں نے اپنے تخلیقی سفر میں کل اٹھارہ ناول تخلیق کیے ہیں۔ فنِ ناول نگاری پر یوسا کے تصورات ان کے وسیع و عمیق مطالعے اور تجربے کا نچوڑ ہیں اور ان کے پسِ پردہ پختہ ذہن کی بالغ نظری جھلکتی ہے۔

یوسا کی دانست میں " متفاعل وارداتوں کا نظام"(Communicating Vessels)دراصل زمانی، مکانی یا حقیقت کی مختلف سطحوں پر وقوع پذیر ہونے والے واقعات میں تعلق سے قائم ہوتا ہے۔ یہ ایک طرح کا ترسیلی اور ہم ربطی نظام ہے جس میں مختلف وارداتوں کے درمیان ایک طرح کا تفاعلی تعلق ہوتا ہے جو ان میں وحدت کا باعث بنتا ہے۔ یہ اندرونی مخفی نظام اس وقت اثر انگیز ہوتا ہے جب ایک واردات کا جوہر اس کے اجزا سے زیادہ ہو۔ مترجم عمر میمن نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

> ''دو یا زائد وارداتیں جو مختلف وقتوں اور مختلف مقامات یا حقیقت کی مختلف سطحوں پر رونما ہوں لیکن جنھیں راوی نے یوں پرو دیا ہو کہ ان کی قربت یا امتزاج ان سے ایک دوسرے میں ردوبدل کراتا ہو، اور ہر ایک کو، منجملہ دیگر صفات کے، ایک مختلف معنی، لہجہ، یا علامتی قدر (کیفیت) دیتا ہو جو اگر یہ فرداً فرداً روایت کی گئی ہوتیں تو حاصل نہ ہوتے''۔ (۲)

ڈاکٹر نجیبہ عارف کے مطابق، فکشن میں اس تکنیک (یعنی مختلف زمان و مکان میں ہونے والی وارداتوں میں باہمی ربط) کے استعمال سے کثیر الجہتی اور دبازت کا عنصر پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔(۳) یہ تکنیک مختلف واقعات میں وحدت اور انضمام کا باعث ہوتی ہے جس سے کہانی میں معنی کی مختلف سطحیں اجاگر ہوتی ہیں۔

انیس اشفاق نے خواب سراب میں کئی سطحوں پر مشتمل ایک تفاعلی اور ہم ربطی نظام قائم کیا ہے۔ ناول نگار نے مرزا رسوا کے ناول امراؤ جان ادا پر خواب سراب کے قصے کی بنیاد رکھ کر دونوں ناولوں میں ایک طرح کا تعلق قائم کیا ہے۔ امراؤ جان ادا اور خواب سراب میں کئی طرح کے کمیونی کیٹنگ سلسلے ہیں۔ خواب سراب کی کہانی، رسوا کے ناول کے مرکزی کردار امراؤ جان کی زندگی اور اس کی نسلوں کی تلاش و جستجو کے گرد گھومتی ہے۔ صرف امراؤ جان ہی نہیں بلکہ رسوا کے ناول کے دوسرے کئی کردار مثلاً خانم، نواب سلطان، فیض علی، بوا حسینی، بوا زینب، گوہر مرزا اور مولوی صاحب بھی خواب سراب کے بیانیے کا حصہ ہیں۔ دونوں ناولوں میں کئی طرح کی مماثلتیں اور وحدتیں پائی جاتی ہیں۔ جس طرح رسوا نے اپنے ناول میں امراؤ کا قصہ لکھ کر لکھنؤ کی تہذیب و ثقافت کو پیش کیا؛ اسی طرح انیس اشفاق نے امراؤ کے قصے کی باز تخلیق کر کے غدر کے بعد لکھنؤ کے تہذیبی و مکانی آثار کی تباہی اور بدلتی تہذیب و ثقافت کا نقشہ پیش کیا ہے۔ مرزا رسوا امراؤ جان ادا میں سامع اور راوی کی حیثیت سے کہانی بیان کرتے ہیں؛ اسی طرز پر خواب سراب میں فکشنی کردار علی حیدر بطور سامع اور راوی امراؤ کی نسلوں کی کہانی بیان کرتا ہے۔ سو، دونوں ناولوں میں کمیونیکشن کا ایک سلسلہ خود بخود پیدا ہو گیا ہے۔

انیس اشفاق نے خواب سراب میں اس تکنیک کو بڑی ہنر مندی سے برتا ہے۔ خواب سراب میں راوی نے امراؤ کے قصے کو جس کا تعلق ماضی سے ہے، اپنے حال میں شامل کر لیا ہے اور اپنی زندگی کے شب و روز امراؤ کی اصل کہانی اور اس کی نسلوں کی تلاش میں صرف کرتا ہے۔ یہاں ماضی کے ایک قصے کی جستجو عہدِ حاضر میں راوی کو حقیقت جاننے پر اکساتی ہے۔ اسے یقین ہے کہ امراؤ جان واقعی صاحبِ اولاد تھی اور اس کی اولاد ابھی زندہ ہو گی اور لکھنؤ میں ہی کہیں موجود ہو گی۔ ناول میں امراؤ کا قصہ اور لکھنؤ کی معاشرت، تہذیب و ثقافت کا بیان پہلو بہ پہلو ہے لیکن تفاعلی نظام کی بدولت دونوں ایک دوسرے میں ضم ہیں اور بیانیہ وحدت برقرار رہتی ہے۔ ناول نگار نے دو مختلف زمانوں، ماضی اور حال میں لکھنؤ کی تہذیب و ثقافت کا مرقع پیش کیا ہے۔ ناول میں شمیلہ دو مجروں اور رسوا کے ناول کے کچھ کرداروں بالخصوص گوہر مرزا کا ذکر کرتی ہیں، وہاں اس عہد کی معاشرت و ثقافت کے کئی رنگ سامنے آتے ہیں جو اب ماضی کا حصہ بن چکی ہے؛ ڈومنیوں کا شادی بیاہ میں گالیاں گانا، گھروں میں ان کے گانے کی مشق کرنا، نوابوں اور رئیسوں کا کوٹھوں پر جانا، نوابوں کا خوشی کے موقعوں پر محفلوں کا اہتمام اور مہمانوں کی خاطر تواضع، محل میں مجروں کا اہتمام کرنا، ان میں مشہور طوائفوں کو باقاعدہ پیغام بھیج کر بلانا، سواری کا انتظام کرنا، طوائفوں کا ماہر سازندوں کی سنگت میں گانا، تماشائیوں کی طرف سے مختلف فرمائشوں کا کیا جانا، کمال فنکاری پر داد و تحسین دینا، محفل برخاست ہونے پر طوائفوں کو تحائف اور انعامات کے ساتھ رخصت کرنا۔۔۔ یہ سب اس تہذیب کا بیان ہے جو وقت کے ساتھ ختم ہو گئی۔

ناول میں محرم میں مذہبی عقیدت و احترام اور عزاداری کے حوالے سے بیان خاصا تفصیلی ہے اور تقریباً چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ ناول نگار نے یکم محرم سے لے کر عاشورہ کے دن تک ادا کی جانے والی مختلف مذہبی رسومات کا ذکر کیا ہے۔ عبدالرحمٰن نے عشرہ محرم کے طویل بیان کا نچوڑ دو باتوں کو بتایا ہے کہ اول تو مصنف نے لکھنؤ کے امام باڑوں اور ان کی تاریخ کو بیانیے کا حصہ بنایا ہے اور دوم عزاداری کا بیان ہے۔[۴] ناول نگار نے تقریباً تمام بڑے اور مشہور مام باڑوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ کون سا امام باڑہ کس نے کب بنوایا، کس نام سے موسوم اور معروف ہوا، شاہی عہد میں ان کی تزئین و آرائش کا اہتمام کس طرح کیا جاتا تھا اور سانحۂ غدر میں یہ کس طرح متاثر ہوئے۔ علاوہ ازیں، محرم میں ادا کی جانے والی مذہبی رسومات ـــــ مجالس میں شرکت، مرثیہ سوز اور نوحہ خوانی، مصائب کا پڑھنا، گریہ و ماتم کرنا، سبیلوں کا اہتمام، گھر میں امام باڑہ اور تعزیہ بنانا، خاص پکوانوں کا تیار کیا جانا، سادگی اختیار کرنا اور عزاداری کا بھی ذکر ہے۔ اگرچہ خواب سراب میں لکھنؤ کی تہذیب کے اس منظر نامے کا بیان خاصا طویل ہے لیکن یہ ناول میں کوئی الگ جُز نہیں۔ راوی، امراؤ کی نواسی سبیلہ کے ساتھ محرم کے ایام میں مذہبی فرائض سرانجام

دیتا ہے۔ شمیلہ اور سبیلہ کی زبانی امراؤ جان کی مذہبی عقیدت واہتمام اور مختلف راگوں میں سوز اور مرثیہ خوانی کا ذکر بھی یہاں ہے۔ مرکزی قصہ کچھ دیر کے لیے التوا کا شکار ضرور ہوا ہے لیکن پس منظر میں موجود ہے۔ خواب سراب میں مختلف قصوں کہانیوں میں استوار کیے گئے تفاعلی نظام کے بل بوتے پر ناول نگار نے بیانیے میں نامیاتی وحدت کا تاثر ابھارا ہے۔

خواب سراب میں کئی کرداروں کی زندگی سے متعلقہ کچھ واقعات ایسے ہیں جو ایک دوسرے سے ترسیلی نظام میں جُڑے ہوئے ہیں۔ ناول کے مختلف کردار ایک دوسرے سے دکھ درد کے رشتے میں منسلک ہیں۔ جہاندار بیگم، سردار جہاں، صہبا خانم، شہبا، شمیلہ خانم، سبیلہ، ہینگا، کمو، حکیم صاحب اور راوی سب اسی رشتے میں بندھے ہیں۔ سب ہی نے ماضی میں بہت دکھ دیکھے، مصیبتیں جھیلیں اور آلام اٹھائے لیکن سب ہی رجائیت کے علمبردار ہیں۔ اپنے اپنے انفرادی کرب کے باوجود ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک اور ان دکھوں کا درماں کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔

اپنی اصل شناخت سے محروم ہو جانے کا دکھ سردار جہاں، شہبا، ہینگا، کمو، شمیلہ خانم اور سبیلہ کو ہے۔ سب کے آباؤاجداد کا تعلق اشراف سے تھا۔ سردار جہاں کی نانی اچھن بی اودھ کی نجیب زادیوں میں سے تھیں، صہبا خانم کا تعلق نواب قیصر شکوہ کی نانیہال سے تھا، امراؤ جان لکھنؤ کے نواب علی نقی بہادر کی بیٹی تھیں مگر حالات کی ستم ظریفی کی بدولت انھیں طوائف کے پیشے سے وابستہ ہونا پڑا۔ شمیلہ اپنے دکھ کا اظہار راوی سے کرتی ہیں: ''اب حال یہ ہے کہ ہم جو اصیلوں میں ہیں، اصیل نہیں''۔ (۵)

حکیم صاحب راوی کو بتاتے ہیں:

> ''امراؤ جان، سردار جہاں، صہبا خانم سب کے تار ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔" حکیم صاحب نے کہا۔ "یہ لوگ یک پیشہ تو ہیں ہی لیکن نسلاً بھی سب کی شاخیں ایک ہی درخت سے پھوٹی ہیں''۔ (۶)

ایک دوسرے کو چاہنے اور ملاقات کی خواہش کے باوجود آپس میں نہ مل سکنے کا دکھ بھی کئی کرداروں کو ہے۔ امراؤ جان اور امراؤ بیگم ایک دوسرے کو بہت چاہتی تھیں، ایک دوسرے کے حالات سے واقف تھیں، لیکن ساری زندگی آپس میں ملاقات نہ ہو سکی۔ اسی طرح سردار جہاں اور شمیلہ خانم بھی یہی دکھ لیے اس دنیا سے گزر گئیں۔ شہبا، ہینگا اور کمو سے ملنا چاہتی تھیں لیکن زندگی نے مہلت نہ دی۔ یہ سب خواتین ہم پیشہ ہونے کے باوجود ساری زندگی ایک دوسرے سے مل نہ سکیں۔ شمیلہ خانم اس بات کا ذکر کرتی ہیں: ''جیسے اماں امراؤ بیگم کو بہت چاہنے لگی تھیں

ویسے میں بھی سردار جہاں کو، انھیں دیکھے بغیر چاہنے لگی"۔ (۷) عزیزوں سے بچھڑ جانے اور گھر چھن جانے کا دکھ شہبا اور راوی دونوں کو ہے۔ راوی کہتا ہے:

"شہبا کے اس گھر سے نکلنے کا منظر میری آنکھوں میں گھوم رہا تھا، مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے مجھے اپنے ٹھکانے سے بے دخل کر دیا گیا ہو"۔ (۸)

جہاندار بیگم، شہبا، راوی، ہینگا، کمو، شمیلہ، سبیلہ سب ہی اکیلے پن اور تنہائی کا شکار ہیں۔ جہاندار بیگم اپنی، شہبا اور راوی کی تنہائی کا ذکر کرتی ہیں: 'تینوں اکیلے ہیں۔ میں اس بہت بڑی حویلی میں اکیلی۔ تم اپنے ٹھکانے پر اکیلے اور بٹیا پہلے بھی اکیلی تھی اور اب بھی اکیلی۔' ہینگا راوی سے اپنے دکھ کا اظہار کرتی ہے: "ہم دونوں اکیلے ہیں۔ میں اور کمو"۔ (۹) جہاندار بیگم، شہبا اور راوی تینوں اپنے بچھڑے عزیزوں کو یاد کر کے رونے لگتے۔ حکیم صاحب ان سب کرداروں سے ملتے نہیں لیکن راوی کی وساطت سے ان کے حالات سے واقف رہتے ہیں، وہ وقتاً فوقتاً راوی کو ان کا خیال کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔

ناول کے اختتام پر راوی، ہینگا سے بچھڑ جاتی ہے۔ کہانی کے خاتمے پر ہینگا اور راوی دونوں کی تنہائی کا یہ جاں گسل احساس قارئین کے بھی دامن گیر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، پورے ناول میں زندگی اور موت کی آویزش دکھائی گئی ہے، بیانیے میں موت زندگی کی اٹل حقیقت کے طور پر سامنے آتی ہے اور زندگی کی بے ثباتی کا احساس دلاتی ہے۔ جہاندار بیگم، صہبا خانم، شہبا، شمیلہ خانم اور سبیلہ دھیرے دھیرے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا واقعات ـــــ اصل سے محروم ہونا، گھر کا چھننا، عزیزوں سے بچھڑنے کا غم، تنہائی کو جھیلنا ـــــ کئی کرداروں کی زندگی میں مختلف وقتوں میں رونما ہوئے لیکن راوی نے انھیں یوں بیان کیا ہے کہ ان کی صفتِ مشترک (دکھ درد) نے ناول کو ایک مخصوص کیفیت اور فضا سے ہمکنار کیا ہے جو اداسی اور حزن کی فضا ہے۔ اس کے برعکس اگر ناول نگار نے یہ واقعات صرف ایک کردار سے مخصوص کر کے بیان کیے ہوتے تو ناول میں یہ تاثر نہ ابھرتا۔

انیس اشفاق کے تینوں ناولوں میں بھی ہم ربطی نظام ہے جو لکھنؤ کی تہذیب و ثقافت کے بیان سے خلق ہوتا ہے۔ لکھنؤ کی فنا ہوتی تہذیب و ثقافت کا مرقع پہلی دفعہ انھوں نے اپنے ناولٹ دکھیارے (۱۰) (۲۰۱۴ء) میں پیش کیا۔ ناول کا مرکزی کردار شہر میں اپنے بڑے بھائی کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے اور اسی تلاش کے دوران اسے لکھنؤ کی خستہ حال اور فنا ہوتی تہذیب کے کئی آثار دکھائی دیتے ہیں۔ لکھنؤ کی پرانی اور مخدوش حویلیاں، کربلاؤں کی زمینوں پر ناجائز قبضے، محل سراؤں اور امام باڑوں کے متعلقات (محل سراؤں کے دروازے اور علم، پٹکے، جھاڑ، فانوس

وغیرہ) کی کوڑیوں کے مول فروخت، جائیدادوں اور حویلیوں کی ضبطی اور نئی تعمیرات کی وجہ سے پرانے ورثے کی ماند پڑتی رونق کے کئی مناظر اسے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ لکھنوی معاشرت اور ثقافت ـــــ مذہبی رسومات، عزاداری، متوفیوں کے لیے فاتحہ اور مجالس کرانا، نذر نیاز، شاعری سے شغف، مطب کے راوج، روایتی پکوانوں کا بیان بھی ناول کا حصہ ہے۔

انیس اشفاق کا دوسرا ناول خواب سراب (۲۰۱۷ء) [11] بھی دکھیارے کی طرز پر لکھا گیا ہے لیکن اس کا منظر نامہ پہلے ناول سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ لکھنؤ کے تہذیبی آثار؛ مسجدیں، امام باڑے، کربلائیں، درگاہیں، روضے، محل سرائیں، سیر گاہیں، باغ، ان کی تاریخ اور غدر کے بعد ان کی خستہ حالی کا ذکر خواب سراب میں جابجا ملتا ہے۔ لکھنؤ کی معدوم ہوتی تہذیب و فن اور اس کے زوال کا نوحہ یہاں بھی ہے۔ سوز خوانی، حدیث خوانی، موسیقی کا بیان، کوٹھوں کا زوال، پکوانوں کا ذکر، محرم میں لکھنؤ کی تہذیبی فضا کا مفصل بیان اور تہذیبی و مکانی آثار کا انہدام خواب سراب میں بھی ہے۔

لکھنوی تہذیب و ثقافت اور معاشرت کا بیان انیس اشفاق کے تیسرے ناول پری ناز اور پرندے [12] میں بھی ہے۔ پہاڑی مینا کے دلچسپ قصے کے پس منظر میں ناول نگار نے لکھنؤ میں شاہی سلطنت کے خاتمے، لکھنؤ کے اجڑنے اور تہذیبی آثار کے انہدام کی المناک داستان پیش کی ہے۔ آخری تاجدار واجد علی شاہ کے طرزِ حکمرانی، رعایا پروری، فنونِ لطیفہ کی سرپرستی، انگریزوں کے منفی حربے، لکھنؤ کی معاشرت، تاریخ اور فنا ہوتی تہذیب و ثقافت کے کئی رنگ ناولی منظر نامے پر ابھرتے ہیں۔ ناول میں وہ عہد دکھایا گیا ہے جب لکھنؤ مختلف کاریگروں اور ہنر مندوں کی آماجگاہ تھا۔ عمارت سازی، کوزہ گری، پنجرہ سازی، عرضی نویسی کے ماہر افراد لکھنؤ میں موجود تھے، حکما کے طریقۂ علاج کو معتبر سمجھا جاتا تھا۔ سخن گو پرندوں کو پالنا، شاعری سے شغف اور قصے سننے سنانے کا چلن عام تھا۔ واجد علی شاہ کی سلطنت کے خاتمے کے بعد شاہی عہد کی بنی عمارتوں اور حویلیوں کی ضبطی، مسماری، بادشاہ کے تعمیر کردہ چمنوں اور رمنوں کی جگہ نئی کوٹھیوں کی تعمیر، انگریزوں کے بہیمانہ ظلم و ستم ـــــ جانوروں، پرندوں اور انسانوں کی ہلاکت کا المیہ یہاں بھی ہے۔

لکھنؤ کی تہذیب و ثقافت کا وہ مرقع جو انیس اشفاق کے مختلف وقتوں میں تخلیق کیے گئے ناولوں کی تثلیث سے سامنے آتا ہے، وہ ان کے تینوں ناولوں میں ایک نوع کی وحدت قائم کرتا ہے۔ خواب سراب میں تفاعلی نظام کے مذکورہ بالا تمام سلسلے ایک دوسرے میں ملفوف اور پیوست ہیں اور سب ہی ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔

خواب سراب میں ناول نگار نے کم یونی کیٹنگ وے سلز کی تکنیک کو خلا قانہ انداز میں برتا ہے۔ ناول میں قائم کیے گئے ترسیلی نظام کی بھی کئی سطحیں ہیں۔ پہلی سطح پر، یہ امراؤ جان ادا اور خواب سراب میں کمیو نیکشن ہے۔ دوسری سطح پر، ناول کے مرکزی قصے اور اور دو مختلف زمانوں (ماضی اور حال) کی تہذیب و ثقافت کی ہم ربطی ہے۔ تیسری سطح پر، مختلف کرداروں کی زندگی کے بعض مشترک پہلوؤں اور واقعات کے درمیان کئی کمیو نیکیٹنگ وے سلز ہیں جو ناول کو ایک مخصوص اداسی اور حزنیہ فضا سے ہمکنار کرتے ہیں۔ اس سب پر مستزاد یہ کہ ان تینوں سطحوں میں بھی ترسیلی نظام کا ایک جال بچھا ہے جو ان میں ایک تعلق اور وحدت قائم کیے ہوئے ہے۔ ناول میں اس نظام کی مذکورہ بالا سطحیں ایک دوسرے کے اندر ملفوف اور پیوست ہیں۔ خواب سراب بظاہر راست اور عام فہم بیانیہ ہے لیکن اس راست بیانیے میں فنی و تکنیکی حوالے سے کئی جدت طرازیاں ہیں۔ انیس اشفاق نے کمال مہارت اور بصیرت سے ان فنی حربوں کا استعمال ناول کی زیریں سطح پر کیا ہے کہ یہ بیانیے کی روح کو متاثر نہیں کرتا۔ ناول میں کم یونی کیٹنگ وے سلز کے تکنیکی تجربے کے علاوہ بھی دیگر فنی و تکنیکی جہتوں کے مختلف سطحوں پر استعمال میں بھی ایک خلا قانہ پن اور ندرت ہے۔ یہ سب مل کر بیانیے کو وسعت، گہرائی اور تنوع سے ہمکنار کرتے ہیں اور اسے زیادہ حقیقت آگیں بناتے ہیں۔ ناول میں متذکرہ فنی اجزا کی ہم آہنگی سے ہی قوتِ ترغیب پیدا ہوئی ہے۔ مختلف فنی عناصر کے ہنر مندانہ استعمال سے انیس اشفاق نے ناول میں حقیقت کا ایسا واہمہ خلق کیا ہے کہ حقیقت اور فسانے کا فرق واضح نہیں ہوتا۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ماریو پیڈرو برگھس یوسا(_____Jorge Mario Pedro Vargas Llosa;1936) کا شمار پچھلی پانچ دہائیوں سے لاطینی امریکہ کی ممتاز شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں اور ایک ادیب، کالج پروفیسر، صحافی اور سیاستدان کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ادب کی دنیا میں وہ ناول نگار، ڈراما نگار، انشائیہ نگار، افسانہ نگار، مضمون نویس اور ناقد کی شناخت رکھتے ہیں۔ ماریو برگھس یوسا کی ولادت جنوبی پیرو(Peru) کے چھوٹے سے شہر آرے کیپا(Arequipa) میں ۲۸ مارچ ۱۹۳۶ء کو ہوئی۔ یوسا ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کے والدین نے علیحدگی اختیار کرلی۔ آرے کیپا میں ایک برس رہنے کے بعد، وہ اپنی ماں اور نانا کے ساتھ بولیویا(Bolivia) کے شہر کوچابامبا(Cochabamba) منتقل ہو گیا۔ یہیں اس کا بچپن گزرا اور یہیں سے اس نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ یوسا نے نوعمری میں نظمیں لکھنے کا آغاز کیا۔ سولہ سال کی عمر میں گریجویشن سے قبل ہی اس نے مقامی اخبارات کے لیے صحافت شروع کر دی۔ ۱۹۵۲ء میں اس کا پہلا کھیل (Three Act play) شائع ہوا۔ ۱۹۵۳ء میں اس نے لیما کی دانشگاہ(San Marcos National University) سے قانون اور ادب کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں، اسی دانشگاہ سے یوسا کو سپین میں پڑھنے کے لیے سکالرشپ ملا۔ یوسا اپنے عہد کے نمائندہ ادیبوں میں سے ہیں، ان کے ادبی کارناموں کی فہرست طویل ہے اور اسی بنا پر انھیں متعدد انعامات اور عالمی اعزازات سے نوازا گیا ہے جن میں ۲۰۱۰ء میں دیا جانے والا نوبل پرائز بھی شامل ہے۔ کہانی کار کی حیثیت سے یوسا نے اپنے تخلیقی سفر میں کئی افسانوی مجموعوں کے علاوہ اٹھارہ ناول بھی تخلیق کیے۔ یوسا کے مشہور ناولوں ہیں سورما کا زمانہ (The Time Of The Hero;1963)، سبز مکان (The Green House;1965)، گرجے میں مکالمہ (Conversation In The Cathedral;1969) اور دنیا کے خاتمے کی جنگ (The War Of The End Of The World;1991) شامل ہیں۔ ادبی لگاؤ کے علاوہ یوسا کو سیاست اور صحافت سے بھی دلچسپی رہی۔

۲۔ ماریو برگھس یوسا(Mario Vargas Llosa)، نوجوان ناول نگار کے نام خط (Letters to a Young Novelist) مترجم محمد عمر میمن (کراچی: شہرزاد، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۲۱۔

۳۔ نجیبہ عارف، "تنقید اور تخلیق کی کتھا—نوجوان ناول نگار کے نام خطوط"، مشمولہ بنیاد، ص ۳۳۵۔

۴۔ عبدالرحمٰن۔ ''خواب سراب: موجود متن پر تشکیل کردہ جدید بیانیہ''، مشمولہ ''مکالمہ''۔ شمارہ ۳۵: ص ۱۳۲۔

۵۔ انیس اشفاق، خواب سراب، (لکھنؤ: انیس اشفاق، فروری ۲۰۱۷ء)، ص ۳۰۰۔

۶۔ ایضاً، ص ۱۵۰

۷۔ ایضاً، ص ۳۰۸

۸۔ ایضاً، ص ۱۲۹

۹۔ ایضاً، ص ۱۶۱

۱۰۔ انیس اشفاق۔ دکھیارے (کراچی: شہر زاد، دسمبر ۲۰۱۴ء)۔

۱۱۔ ———۔ خواب سراب (لکھنؤ: انیس اشفاق، فروری ۲۰۱۷ء)۔

۱۲۔ ——— ۔ پری ناز اور پرندے (لکھنؤ: انیس اشفاق، جون ۲۰۱۸ء)۔

ماخذات

۱۔ اشفاق، انیس۔ دکھیارے۔ کراچی: شہر زاد، دسمبر ۲۰۱۴ء

۲۔ ———۔ خواب سراب۔ لکھنؤ: انیس اشفاق، فروری ۲۰۱۷ء۔

۳۔ ———۔ پری ناز اور پرندے۔ لکھنؤ: انیس اشفاق، جون ۲۰۱۸ء۔

۵۔ عارف، نجیبہ۔ "تنقید اور تخلیق کی کتھا ——نوجوان ناول نگار کے نام خطوط" مشمولہ بنیاد جلد دوم۔ شمارہ ۱ (۲۰۱۱ء): ص ۳۳۳۔۳۴۶۔

۶۔ عبدالرحمٰن۔ "خواب سراب: موجود متن پر تشکیل کردہ جدید بیانیہ" مشمولہ مکالمہ۔ شمارہ ۳۵: ص ۱۲۵۔۱۳۵۔

۷۔ یوسا، ماریو برگس۔ Letters to a young novelist ۔ مترجم محمد عمر میمن۔ نوجوان ناول نگار کے نام خط ۔ کراچی: شہر زاد، ۲۰۱۰ء۔

8. Llosa, Mario Vargas- Letters to a Young Novelist- Translated by Natasha Wimmer- New York: Picador Farrar, Straus and Giroux, 2003.